حکمتِ اقبال
(۵۷)
ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور علومِ مروّجہ (۱)

انسان اور کائنات سے بعض حقائق جن کی وضاحت اوپر کی گئی ہے ہمیں اس ناگزیر نتیجہ تک پہنچاتے ہیں کہ کائنات کی حقیقت خدا ہے، اور انسان کی خودی جو اصل انسان ہے خدا کی محبت کا ایک طاقتور جذبہ ہے جو ایک جسم میں جسے جسم انسانی کہتے ہیں، نمودار ہوا ہے، اور انسان اپنی تمام ظاہری اور باطنی قوتوں کو اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق صحیح یا غلط طور پر اس جذبہ کی تشفی پر صرف کرنے کے لیے مجبور ہے۔ خدا اور خودی کا یہ تصور کائنات کی مرکزی حقیقت اور فلسفۂ خودی کی جان ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک انسان اور کائنات کے علوم یعنی طبیعاتی، حیاتیاتی اور انسانی علوم کو کائنات کی اس مرکزی حقیقت کی روشنی میں نہ لکھا جاتے ان کی تدوین اس اہم حقیقت کو نظرانداز کرنے کی وجہ سے عقلی اور علمی اعتبار سے درست نہیں ہو سکتی، اور ضروری ہے کہ اس میں کئی غلطیاں پیدا ہو جائیں اور وہ کئی پہلوؤں سے بے ربط اور خام اور ناتمام رہ جاتے۔ بدقسمتی سے یہ علوم مغرب میں اس حقیقت کی روشنی میں نہیں لکھے گئے، لہٰذا اُن کی تدوین دُرست طور پر نہیں ہوئی۔ وہ علم جو خدا اور خودی کے اس تصور سے جو کائنات میں اور تمام علوم میں کلیدی اور مرکزی مقام رکھتا ہے، بے تعلق ہو وہ بے ربط اور بے معنی افکار کے ایک کھیل یا تماشہ خانے کے سوائے اور کیا ہو سکتا ہے۔

علم کور از عشق برخوردار نیست
جز تماشہ خانۂ افکار نیست!

مغربی سائنسدان کا علم مظاہر قدرت کے مشاہدات پر مبنی ہے لیکن اُس کے مشاہدات اس بصیرت سے محروم ہیں کہ یہ مظاہر قدرت خدا کی ہستی اور صفات کے نشانات اور دلائل ہیں لہٰذا اس کی سائنس ایک طرح کی بے بصری ہے۔ اگر وہ اس بصیرت سے محروم نہ ہوں تو اس کو ہر مظہر قدرت

© rasailojaraid.com

میں موسیٰ کلیم اللہ کی طرح خدا کا جلوہ نظر آتا اور اس طرح اس کے مشاہدات اس کی تجلیات سے ہمکنار ہو جاتے۔

وہ علم کم بصری جس میں ہمکنار نہیں
تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم

جس علم کے ساتھ خدا کی محبت شریکِ کار نہ ہو وہ اس سپاہی کی طرح ہے جو کارزارِ حق و باطل میں لڑنے کے لیے نکلا ہو لیکن اس کے ہاتھ میں بجائے تلوار کے فقط ایک خالی نیام ہو۔ ایسا علم شیطان کے خلاف کوئی کارگر حربہ نہیں بن سکتا، بلکہ شیطان اُسے اپنے لیے ایک کارگر حربہ کے طور پر کام میں لاتا ہے

عشق کی تیغِ جگر دار اڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

لیکن یہ بات افسوس ناک ہے کہ اس کے باوجود ان علوم کی درسی کتابیں جو ہماری یونیورسٹیوں اور ہمارے کالجوں میں نافذ ہیں اس وقت تک سب کی سب ان علوم کی مغربی تدوین اور کائنات اور انسان اور علم کے غلط مغربی نقطۂ نظر پر مبنی ہیں، بلکہ یہ کتابیں بالعموم وہی ہیں جو مغرب کے علماء کے ہاتھوں سے مغرب میں لکھی گئی ہیں اور مغرب کے کالجوں اور مغرب کی یونیورسٹیوں میں نافذ ہیں۔ لہٰذا یہ کتابیں ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ذہنی اور علمی نشوونما کو نقصان پہنچا رہی ہیں اور ان کی وجہ سے ہماری قوم کی رُوح مردہ ہوتی جا رہی ہے لیکن ہم نے ان کو فقط مغرب کی کورانہ تقلید کرتے ہوئے اور ہر بات میں اُن کی فوقیت کے وہم میں مبتلا ہو کر اپنے ہاں نافذ کر رکھا ہے۔ اقبال ہماری اس غلطی پر تنبیہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

مشو ایمن ازاں علمے کہ خوانی
کہ از وے روحِ قومے را تواں کشت

خودی اور طبیعیاتی علوم

مثلاً پہلے طبیعیاتی علوم کی درسی کتابوں کو لیجئے۔ ان علوم میں فزکس، کیمسٹری، اور فلکیات (Astronomy) وغیرہ شامل ہیں۔ ان علوم کی درسی کتابوں میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ان کا

© rasailojaraid.com

مواد مغرب کے حکمائے طبیعیات کے اس غلط اور بے بنیاد عقیدہ پر مبنی ہے کہ صداقت صرف وہی ہے جسے ہم براہِ راست اپنے حواس خمسہ سے دریافت کر سکتے ہیں۔ جو چیز ہم اپنے حواس خمسہ سے دریافت نہیں کر سکتے وہ یا تو موجود ہی نہیں یا اگر موجود ہے تو معدوم کے حکم میں ہے۔ یہ عقیدہ طبیعیاتی علوم کا ہی نہیں بلکہ مغرب کے تمام حیاتیاتی اور انسانی علوم کا اور لاجیکل پازیٹوزم (Logical Positivism) اور بی ہیویرزم (Behaviourism) ایسے کئی جدید مغربی فلسفیوں اور نفسیاتی نظریوں کا بھی نقطۂ آغاز ہے۔ اگر یہ عقیدہ غلط ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مغربی علوم کی خشتِ اوّل ہی غلط ہے اور ان کی دیوار اگر ثریا تک بھی چلی جائے تو غلط ہی رہے گی۔ ظاہر ہے کہ اس عقیدہ میں عملی طور پر خدا کا انکار مضمر ہے اور اگر اسے ذرا اور وسعت دی جائے تو اس کی بنا پر انسانی خودی اور اس کی پسندیدہ اقدار کا بھی انکار کیا جا سکتا ہے اور ایسا کیا جا رہا ہے حالانکہ اپنی خودی سے زیادہ یقینی علم ہمیں اُن چیزوں کا بھی نہیں ہو سکتا جن کا مشاہدہ ہم اپنے حواس سے کرتے ہیں مشاہدات میں غلطی کا امکان ہر وقت موجود رہتا ہے لیکن مجھے اس میں ذرا شک نہیں ہو سکتا کہ میں ہوں، اگرچہ میں حواس خمسہ سے اپنے آپ کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ مغربی حکماء کے اس عقیدہ کے غلط ہونے کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ یہ اپنی تردید خود کرتا ہے، کیونکہ اگر یہ عقیدہ فی الواقع صحیح ہے اور صداقت پر مبنی ہے تو ہم اسے ایک صداقت قرار نہیں دے سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عقیدہ کو کسی شخص نے اپنے حواس خمسہ کی مدد سے بطور ایک صداقت کے دریافت نہیں کیا بلکہ یہ عقیدہ ایک مفروضہ یا تحکم یا ادّعا ہے اور حواس خمسہ سے دریافت کی ہوئی کوئی صداقت نہیں، لہٰذا یہ عقیدہ اپنی تردید خود کرتا ہے۔ مغرب کے حکمائے طبیعیات اس عقیدہ سے اس اصول کو بھی ایک نتیجہ کے طور پر اخذ کرتے ہیں کہ مشاہداتی یا سائنسی علم کو کسی ایسے عقیدہ سے آغاز نہیں کرنا چاہیے جو سائنسی طریقوں سے اور براہِ راست حواس خمسہ کے مشاہدہ سے ثابت نہ ہو۔ لیکن اُن کا یہ اصول خود ایک عقیدہ ہے جو کسی اور عقیدہ سے ماخوذ ہے اور سائنس کے طریقوں سے ثابت شدہ نہیں اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کا یہ اصول پہلے موجود ہوتا ہے اور سائنسی تحقیق بعد میں پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا اُن کی سائنسی تحقیق اِس اصول کو ثابت نہیں کرتی بلکہ یہ اصول اُن کی سائنسی تحقیق کو جنم دیتا ہے۔ اس طرح جب مغربی ماہر طبیعیات اپنی سائنس کو اس عقیدہ سے شروع کرتا ہے کہ سائنسی تحقیق کو کسی عقیدہ سے شروع نہیں ہونا چاہیے

© rasailojaraid.c

تو وہ اپنی تردید خود کرتا ہے اور اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ جس عقیدہ سے وہ درحقیقت اپنی سائنسی تحقیق کو شروع کرتا ہے وہ غلط ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ادّعا کے خلاف اپنی سائنس کو ایک عقیدہ سے شروع کرتا ہے لیکن آخر مغرب کا سائنسدان یہ کہنے کے باوجود کہ سائنس کو کسی عقیدہ سے شروع نہیں ہونا چاہیے اس بات پر مجبور کیوں ہے کہ اپنی سائنس کا آغاز ایک عقیدہ سے کرے۔ اس سوال کا جواب ہمیں خودی کی فطرت سے ملتا ہے۔ انسانی خودی فقط خدا کی محبت یا خدا کی محبت کی کسی ممدّ و معاون محبت کا ایک جذبہ ہے اور محبت کسی مقصود یا مطلوب کے عمدہ یا حسین ہونے کے عقیدہ کا ہی دوسرا نام ہے۔ چونکہ ناممکن ہے کہ انسان کا کوئی فعل ایسا ہو جو اس جذبہ سے سرزد نہ ہو لہٰذا ناممکن ہے کہ اس کا کوئی فعل ایسا ہو جو کسی عقیدہ پر مبنی نہ ہو۔ مثلاً ہر فعل سے پہلے انسان فاعل کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا یہ فعل فلاں عمدہ اور حسین مقصد کو حاصل کرے گا اور اس کو انجام دینے کا فلاں طریقہ عمدہ اور حسین ہے۔ اور یہ عقیدہ اگرچہ معمولی سا نظر آتا ہے لیکن آخر کار کسی تصورِ حقیقت یا کسی نصب العین کی محبت سے ماخوذ ہوتا ہے۔ سائنسی تحقیق بھی چونکہ ایک انسانی فعل ہے وہ اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں، لہٰذا ممکن نہیں کہ سائنس کسی عقیدہ سے آغاز نہ کرے۔

غیر حسی صداقتوں کو تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں

مغربی سائنسدانوں کا یہ عقیدہ کہ علمی صداقت وہی ہے جسے ہم اپنے حواسِ خمسہ سے دریافت کر سکتے ہیں نہ تو سائنس کے طریقوں سے ثابت شدہ ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اور علمی یا عقلی بنیاد ہے۔ اس کو اختراع کرنے کی ضرورت فقط اس لیے پیش آئی تھی کہ اس کے ذریعہ سے خدا کے تصور کو سائنس سے خارج کر کے سائنس کو ایک ناپاک، مذہب سے غیر متعلق اور دنیاوی قسم کی کدوکاوش کے طور پر پیش کیا جائے اور اس طرح سے سائنس اور سائنسدانوں کو کلیسا کے مظالم سے بچایا جائے۔ کون نہیں جانتا کہ کلیسا کی سائنس دشمنی یورپ کی تاریخ کا ایک المناک باب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عملی طور پر مغرب کے سائنسدان خدا کے سوائے اور کسی غیر حسی صداقت کو، جو مشاہدہ میں نہ آنے کے باوجود اپنے اثرات اور نتائج کے ذریعہ سے ثابت ہو رہی ہو، رد نہیں کرتے اور اپنے اس عقیدہ کو صرف خدا ہی کے تصور کے خلاف بروئے کار لاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ صداقت وہی نہیں جسے ہم براہِ راست اپنے حواسِ خمسہ

© rasailojaraid.com

کے مشاہدہ سے معلوم کریں بلکہ وہ بھی ہے جسے ہم براہِ راست اپنے حواسِ خمسہ کے مشاہدہ سے تو معلوم نہ کر سکیں، لیکن اُس کے اثرات اور نتائج کو براہِ راست اپنے حواسِ خمسہ کے مشاہدہ سے معلوم کر سکیں۔ اس کی مثال ایٹم ہے جس کے آج تک کے سارے علم کا دارومدار اس کے براہِ راست مشاہدہ پر نہیں بلکہ اس کے آثار و نتائج کے مشاہدہ پر ہے۔ خدا کا وجود بھی ایک ایسی ہی حقیقت ہے، کیونکہ ہم خدا کا علم اُس کے براہِ راست مشاہدہ سے حاصل نہیں کرتے بلکہ مظاہرِ قدرت کی صورت میں اُس کے وجود کے آثار و نتائج کے مشاہدہ سے حاصل کرتے ہیں۔ اگر مغرب کے سائنسدان ایٹم کے آثار و نتائج کے مشاہدہ سے ایٹم کو ایک سائنسی حقیقت سمجھتے ہیں تو مظاہرِ قدرت میں خدا کے وجود کے آثار و نتائج کے مشاہدہ سے خدا کو ایک سائنسی حقیقت کیوں نہیں سمجھتے؟ اس کی وجہ خدا کے تصور سے وہی ڈر ہے جو کلیسا کی سائنس دشمنی سے پیدا ہوا تھا اور آج تک چلا آتا ہے۔ اسی ڈر کی وجہ سے وہ اب بھی اس آشکار حقیقت کا اعتراف کرنے سے گھبراتے ہیں کہ مظاہرِ قدرت میں خدا کی ہستی اور صفات کا جلوہ نظر آتا ہے۔

(جاری ہے)

بقیہ: حرفِ اول

سکی۔ امریکہ کے حالیہ سفر میں، جس کے لئے وسط جون میں محترم ڈاکٹر صاحب کی روانگی ہوئی تھی، ارادہ یہ ہے کہ یہ قرض چکا دیا جائے۔ چنانچہ اسی ضرورت کے پیش نظر نیو جرسی کے علاقے میں ایک بھرپور یک ماہی تربیت گاہ کے انعقاد کا پروگرام ترتیب دیا گیا ہے۔ یکم جولائی تا ۳۱ جولائی، یہ پروگرام ان شاء اللہ Teaneck Mosque میں منعقد ہو گا اور علاوہ دیگر تربیتی پروگراموں کے روزانہ محترم ڈاکٹر صاحب کے چار دروس ہوں گے۔ توقع ہے کہ اس طرح ایک ماہ میں انگریزی زبان میں منتخب نصاب کے دروس کی تکمیل ہو جائے گی اور ان دروس کو کیسٹوں کے اندر محفوظ کر لیا جائے گا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ محترم ڈاکٹر صاحب کو وہ ہمت عطا فرمائے کہ یہ بھاری کام ان کے لئے آسان ہو جائے اور یہ پورا پروگرام پایہ تکمیل کو پہنچ سکے۔ (آمین) ○○

© rasailojaraid.com

مسئلۂ سود
اور
غیر سودی مالیات

محمد اکرم خان

(قسط دوم)

II- ربا کی فقہی تعبیر

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جو لوگ سود کو ایک تمدنی اور معاشی ضرورت کے طور پر پیش کرتے ہیں ان کے دلائل بہت کمزور ہیں۔ اب ہم بتائیں گے کہ فقہاء نے ربا کی جو تعریف کی ہے وہ کس قدر جامع ہے اور کس طرح سے رائج الوقت سود اس کے ضمن میں آجاتا ہے۔ ربا کی فقہی تعریف یہ ہے :

"قرض کے معاملہ میں ایسا اضافہ جو کہ قرض خواہ کا حق قرار پائے، لیکن جس کے بدلے میں قرض خواہ مقروض کو کوئی شے نہ دے۔[۱۳]"

یعنی یہ ایک ایسا اضافہ ہے جس کے "عوض" کوئی دوسری چیز نہ ہو۔ مثال کے طور پر جب ایک مقروض کسی سے 100 روپے قرض لیتا ہے اور واپسی کے وقت 110 روپے لوٹاتا ہے تو ان میں 100 روپے تو اصل زر کا بدل ہے جب کہ 10 روپے کسی خدمت، شے، یا خطرے سے تحفظ کی قیمت نہیں ہے، یہ کسی چیز کا عوض نہیں ہے، اور یہی ربا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ تبادلہ میں اضافہ کی تین ہی صورتیں ممکن ہیں: یا تو یہ اضافہ کسی شے کی قیمت ہو، یا کسی خدمت کا معاوضہ، یا کسی خطرہ سے تحفظ کی ضمانت ہو۔ جیسے کہ کوئی بینک کسی کی رقم اپنے پاس رکھے اس شرط پر کہ اگر اس میں کوئی کمی ہو تو

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

بینک ذمہ دار ہو گا اور اس ضمان کو قبول کرنے کا وہ کوئی معاوضہ لے۔ ان کے علاوہ اگر کوئی شخص یا ادارہ کسی دوسرے شخص یا ادارہ کی کوئی رقم لیتا ہے تو وہ بغیر کسی "عوض" کے ہو گی اور یہی "ربا" ہے۔

غور کیا جائے تو "ربا" اور "سود" میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ربا کی یہ تعریف اس قدر جامع ہے کہ اس میں نہ مقصدِ قرض کا ذکر ہے' نہ مدت کی کمی بیشی کا' نہ شرح اضافہ کا' نہ فریقین تبادلہ کا۔ چنانچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر شرح اضافہ پیشگی متعین ہو تو یہ معاملہ ربا ہو گا اور اگر تغیر پذیر ہو تو نہیں۔ یہ بات کلیتہً صحیح نہیں ہے' جزوی طور پر صحیح ہے۔ اس طرح سے بعض نے مقصد کے اعتبار سے سمجھا کہ اگر صرفی قرضوں کیلئے ہو تو ربا ہے اور تجارتی قرضوں کیلئے ہو تو نہیں۔ بعض نے شرح سود میں کمی یا زیادتی کے ساتھ اس میں تمیز کرنے کی کوشش کی۔ مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ فقہاء نے ربا کی جو تعریف کی ہے وہ ان تمام شرائط سے پاک ہے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ یہ تعریف رائج الوقت سود پر بدرجہ اولیٰ لاگو ہوتی ہے۔

فقہاء کی اس تعریف کے پس منظر میں خود قرآن پاک کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ "فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ" (آپ اپنا اصل زر واپس لے سکتے ہیں) یا یہ کہ "وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا" (جو سود رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو)[۱۵]۔ قرآن کے اس مطلق حکم کے بعد کسی بھی قسم کے اضافہ (قرض کے معاملہ میں) کو رِبا ہی تصور کیا جائے گا۔

III۔ سود کی متبادل اساس

سود اور ربا میں کامل مماثلت کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سود حرام ہے تو پھر مالیاتی اداروں کی تشکیل کس بنیاد پر کی جائے؟ — اس سلسلہ میں سب سے زیادہ مشہور اور اکثریت کی تائید یافتہ رائے یہ ہے کہ نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر مالی لین دین کیا جائے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ بینک لوگوں کو نفع و نقصان میں شرکت کی

© rasailojaraid.com

بنیاد پر رقوم فراہم کریں، اور پھر اپنے مجموعی نفع یا نقصان کو بچت کنندوں میں تقسیم کریں۔ اس موضوع پر بھی بہت سا لٹریچر موجود ہے، بلکہ اگر کہا جائے کہ اسلامی معاشیات کا یہ وہ شعبہ ہے جس میں سینکڑوں مقالے اور کتابیں لکھی جا چکی ہیں تو کوئی مبالغہ نہ ہو گا۔[16] مختلف قسم کے بینکاری کے ماڈل پیش کئے جا چکے ہیں، ان کو یہاں دہرانا ایک غیر ضروری سی بحث ہو گی۔ البتہ اس مقالہ میں ان مسائل کا سامنا کرنے کی کوشش کی جائے گی جو ہنوز حل طلب ہیں۔ ضمناً یہ عرض ہے کہ اسلامی بینکاری کے نام پر اس وقت دنیا میں 60 سے زائد بینک کام کر رہے ہیں۔ وہ کس حد تک خالصتاً اسلامی ہیں، یہ بحث اس وقت مقصود نہیں ہے۔ بہر حال یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان اداروں نے کسی حد تک سود سے کنارہ کشی ضرور کی ہے، اور مالیات کے میدان میں ایسی جدتیں پیدا کی ہیں جو کہ سرمایہ دارانہ نظام میں پہلے نہیں تھیں۔

IV۔ نفع و نقصان میں شرکت اور حسابات میں دیانت کا مسئلہ

غیر سودی بینکاری میں نفع و نقصان میں شرکت کا تصور سامنے آتے ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت ہمارے ملک میں بالخصوص اور دوسرے ملکوں میں بالعموم امانت و دیانت کا وہ معیار نہیں ہے کہ بینک بلا خوف و خطر کسی کاروباری فرم کو سرمایہ فراہم کر دیں اور وہ فرم نہایت دیانت سے اسے استعمال کر کے جو بھی نفع و نقصان ہو وہ ٹھیک ٹھیک پیش کر دے۔ زیادہ امکان اس کا ہے کہ لوگ جعلی کھاتوں اور جھوٹے اکاؤنٹس کے ذریعے سے بینکوں کو اپنے نقصانات کی تفصیل پیش کریں گے۔ اس طرح بینک جو لوگوں کے مال کے امین ہیں وہ خسارے کا شکار ہو جائیں گے اور بچت کنندوں کی بچتیں تباہ ہو جائیں گی۔

حقیقت یہ ہے کہ نفع و نقصان میں شرکت کے تصور پر یہ ایک بہت ہی وزنی اور مؤثر اعتراض ہے، چنانچہ اس وجہ سے پاکستان و ایران میں بالخصوص اور باقی جگہوں پر

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

بالعموم اسلامی بینکوں نے کاروبار کی ایسی شکلیں ایجاد کرلی ہیں جن کے ذریعے بینکوں کو حسب سابق ایک لگی بندھی رقم بنام منافع یا بنام مارک اپ ملتی رہے' اور کوئی خطرہ مول نہ لینا پڑے۔ اس طرح سے عملاً بینکوں نے ایک ایسا راستہ اختیار کرلیا ہے جس میں نام کی حد تک تو "سود" ختم ہے لیکن اپنی روح اور اثرات کے ساتھ یہ بالکل باقی ہے۔ اس کا بس نام تبدیل کردیا گیا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت حال کا کیا حل ہے؟ مختلف لوگوں نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ بعض نے تجویز کیا کہ بینکوں کو خصوصی آڈٹ کا اختیار ہو' بعض نے بینکوں کے لئے خصوصی نگرانی کا حق تجویز کیا ہے' بعض نے مارک اپ کی تائید میں ایک پورا فلسفہ تصنیف کرڈالا۔ البتہ شیخ محمود احمد مرحوم و مغفور جنہوں نے اس مسئلہ پر ربع صدی سے زیادہ غور کیا وہ سرے سے نفع و نقصان میں شرکت کی عملیت کے ہی قائل نہ تھے اور انہوں نے وقت کے تبادلے کا ایک نظریہ پیش کیا۔ ہمارے لئے اس مقالہ میں ان کے نظریہ کا جائزہ لینا مشکل ہے' البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ایک بالکل نیا نظریہ پیش کیا جس کی ابھی تک مکمل طور پر اشاعت نہیں ہوسکی اور نہ ہی اس کے حسن و قبح پر بحث ہوسکی ہے۔ وہ نظریہ ایسا ہے جو ایک نئی دنیا کی تعمیر کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے۔ وہ تمام موجودہ نظام کو بیخ و بن سے ادھیڑ کر ایک بالکل نئی بنیاد پر مالیاتی نظام کو برپا کرنا چاہتے تھے۔ بہرحال ہم ان کے نظریہ کو زیر بحث لائے بغیر یہ عرض کرتے ہیں کہ درج ذیل خیالات موجودہ نظام میں جزوی تبدیلیوں کے ساتھ سود کو معیشت سے نکالنے کی غرض سے پیش کئے جارہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم موجودہ نظام میں کوئی بڑی تبدیلی کئے بغیر سود کے خاتمہ کی چند تجاویز پیش کریں گے۔

اب اصل سوال کی طرف واپس آتے ہیں کہ اگر مالیاتی نظام کی بنیاد نفع و نقصان میں شرکت ہے تو حسابات میں گڑبڑ کو روکنے کا کیا طریقہ ہے؟ --- ہمارے خیال میں اس کے دو طریقے ہیں اور دونوں اپنے اپنے مقام پر استعمال میں لائے جاسکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ڈول' بینکوں کے لئے سینکڑوں اور لاکھوں ایسے لوگوں سے معاملہ کرنا جو نہ حساب رکھ سکتے ہیں اور نہ رکھنا چاہتے ہوں اور جن کی امانت و دیانت کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہ کی جا سکتی ہو' بہت مشکل نظر آتا ہے' چنانچہ ہماری رائے میں ایک درمیانی "واسطہ" (Intermediary) وجود میں لایا جائے۔ اس کی شکل یہ ہو کہ بینک چند ایک بڑی بڑی کمپنیوں سے تعلق رکھیں' یہ کمپنیاں پبلک لمیٹڈ ہوں جن کے حصص سٹاک ایکسچینج پر خریدے اور بیچے جا سکتے ہوں' جن کا انتظام پیشہ ور مینیجرز کے ہاتھ میں ہو' جن کے حسابات پیشہ ور آڈیٹرز تصدیق کرتے ہوں۔ یہ کمپنیاں خواہ وہ مال بناتی ہوں یا درآمد برآمد کے کام میں ہوں' بینک اپنا روزمرہ کا لین دین انہی سے کریں۔ رہا معاملہ عام کاروباری اداروں کا' جن کی ضروریات محدود مگر روزمرہ ہیں' جنہیں اپنے مال کو خریدنے یا تھوڑے وقت کے لئے چالو سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے' تو یہ ادارے ان بڑی کمپنیوں سے رابطہ رکھیں۔ بینک بڑی کمپنیوں کو اس ادھار کا ایک حصہ نفع و نقصان میں شرکت کی بناء (Re-finance) پر دیں جو یہ بڑی کمپنیاں چھوٹے اداروں کو دیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی کمپنی سیمنٹ کے بزنس میں ہے تو وہ چھوٹے ڈیلروں کو ادھار مال دے' اور جس قدر یہ مال چھوٹے کاروباری لوگوں کو ادھار دے اس کا ایک حصہ (70 یا 80 فیصدی) بینک اس بڑی کمپنی کو نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر دے۔ اب چھوٹے کاروباری لوگوں سے اس کمپنی کی روزمرہ کی لین دین رہتی ہے' یہ ان سے اپنے سرمائے کو واپس لے اور بینک صرف بڑی کمپنی سے واسطہ رکھے۔ جب اس کو پیسہ واپس ملے تو یہ بینک کو لوٹا دے اور ساتھ ہی نفع و نقصان کا حساب کر کے سال کے آخر میں نفع و نقصان میں شرکت بھی کرے۔ اس میں ایک اہم احتیاط یہ ضروری ہے کہ سیمنٹ کمپنی چھوٹے تجارتی اداروں کو ادھار مال اس قیمت پر دے جس قیمت پر یہ نقد بیچتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کمپنیاں ہر ایک کو ادھار دینے پر مجبور ہوں۔ جس چھوٹے ڈیلر کے بارے میں انہیں اطمینان

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ہوا سے وہ ادھار دیں' باقی کو نقد۔ البتہ بڑی کمپنی کو یہ تسلی ہو گی کہ اس کا اپنا پیسہ اس میں نہیں پھنسے گا بلکہ بینک سے اسے سرمایہ مل جائے گا۔

بینکوں کو جو نفع و نقصان اس طرح سے حاصل ہو وہ سب کا سب بچت کنندوں کو دے دیں' بینک اس میں سے اپنا حقِ خدمت وصول کر لیں۔ ہاں' البتہ اگر بینک نے اپنا کوئی سرمایہ یا عند الطلب کھاتہ داروں (Demand Deposits) کے پیسہ میں سے کوئی رقم اس کام کے لئے صَرف کی ہو تو بینک ان رقوم پر سارے کا سارا نفع خود رکھے گا اور سارے نقصان کا بھی خود ہی ذمہ دار ہو گا۔

تو دوسرے کاروباری لوگوں کی بہت سی انجمنیں وجود میں آئیں' جن کے قواعد و ضوابط باقاعدہ حکومت سے منظور ہوں' جن کی کارکردگی پر حکومت نگاہ بھی رکھے۔ یہ انجمنیں اپنے ممبران کی طرف سے لئے گئے قرض کی واپسی اور حسابات میں درستگی کی ضمانت دیں' اور اگر کسی وجہ سے بینک کو ان سے لین دین کرتے وقت یہ شبہ لاحق ہو کہ یہ حسابات میں گڑبڑ کر رہی ہیں تو پہلے مرحلے میں یہ انجمنیں ہی ان کے حسابات چیک کروائیں اور بازار کے عام حالات کی روشنی میں تصدیق کریں کہ حسابات ٹھیک ہیں۔ دوسرے مرحلے میں بینک خود بھی ان حسابات کو چیک کروا سکے۔ تیسرے مرحلے میں ان فرموں کو کسی بھی دوسرے بینک سے سرمایہ حاصل کرنے میں دشواری لاحق کر دی جائے۔

V۔ بینکوں کی آمدن کا مسئلہ

ہمارے خیال میں آج کل کے بینک مشارکہ' مضاربہ یا براہ راست سرمایہ کاری (Equity) کے ذریعہ سے رقوم فراہم کرنے میں یہ دقت محسوس کر رہے ہیں کہ اس طرح سے وہ ایک ایسا خطرہ مول لے لیں گے جس کے ذریعہ سے بچت کنندہ کی رقوم ڈوب سکتی ہیں۔ لہٰذا از راہِ احتیاط وہ سرمایہ کاری کے ان طریقوں سے گریزاں ہیں۔

© rasailojaraid.com

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بینک کے ملازمین عملی تجارت کا تجربہ نہیں رکھتے اور اس بات کا امکان ہے کہ وہ عملی تجارت میں مات کھا جائیں۔ ایسے حالات میں شریعت کا بنیادی اصول کہ "نفع کا استحقاق نقصان کا خطرہ مول لینے کے ساتھ ہی ہے" (الخراج بالضمان) ہماری مدد کرتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ چونکہ بینک خطرہ مول لینے کو تیار نہیں ہیں لہٰذا انہیں ان رقوم سے نفع لینے کا بھی کوئی حق نہیں ہونا چاہئے جو لوگوں نے ان کے پاس امانت کے طور پر رکھوائی ہیں۔ یہی اصول عام لوگوں کے لئے بھی ہے۔ اسلامی معاشرہ میں جو لوگ بھی اپنے سرمایہ پر کوئی معاوضہ لینا چاہیں انہیں خطرہ بھی مول لینا ہوگا۔

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ بچت کنندوں میں سے جو لوگ اپنی رقوم پر کوئی نفع لینا چاہیں وہ اس صراحت کے ساتھ اپنی رقوم بینک کے حوالے کریں کہ وہ اس رقم کو کسی نفع بخش کام میں لگادے۔ اس صورت میں نفع و نقصان دونوں ہی بچت کنندہ کے ہوں گے، بینک صرف اپنی خدمات کا معاوضہ سروس چارجز کی شکل میں وصول کرے گا۔ اس کی مزید تشریح یوں ہو سکتی ہے کہ بچت کنندہ اپنی رقم کی سرمایہ کاری کسی خاص کاروبار یا کسی خاص طرز پر کرنے کی ہدایت بھی کر دیں اور بینک ان ہدایات کے مطابق یہ کام کر دیں۔

البتہ بینکوں کو یہ اختیار رہے کہ وہ عند الطلب کھاتوں میں سے ایک حصہ (جسے وہ فالتو سمجھیں) اپنے تصرف سے کسی کاروبار میں لگادیں۔ اس سرمایہ پر تمام نفع و نقصان بینک کو ہوگا۔

یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ بچت کنندوں کے سرمایہ پر ہونے والا نفع اگر کسی خاص حد سے زیادہ ہو تو بینک کو بونس کے طور پر اس میں سے کچھ دیا جا سکتا ہے۔ اس سے بینکوں کو اچھی جگہوں پر سرمایہ کاری کرنے کی ترغیب ہوگی۔

© rasailojaraid.co

VI۔ صنعتی سرمایہ کاری

صنعتوں یا بڑے بڑے پیدا آواری اداروں کو درج ذیل کاموں کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہو سکتی ہے:

ا۔ لمبے عرصے کے لئے ناقابل واپسی (مالکانہ بنیادوں پر) سرمایہ
(Equity Participation)

ب۔ طویل یا درمیانی مدت کے لئے قابل واپسی سرمایہ
(Redeemable Equity)

ج۔ روزمرہ چالو اخراجات کیلئے (Working Capital)

د۔ درآمدات (یا برآمدات) کے لئے

ہ۔ ہنڈیوں کو بھنانے کے لئے

و۔ کرایہ پر اثاثہ جات کے حصول کے لئے

ا۔ مالکانہ بنیادوں پر ناقابلِ واپسی سرمایہ

بینک بچت کنندوں کی مرضی سے صنعتوں کے حصص خرید سکتے ہیں' اور جب ضرورت محسوس ہو' اسے سٹاک ایکسچینج پر فروخت کر سکتے ہیں۔ اس میں کوئی شرعی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔

ب۔ طویل یا درمیانی مدت کے لئے قابلِ واپسی سرمایہ

صنعتوں کو ۳ سال سے ۱۰ سال کی مدت کے لئے قابل واپسی سرمایہ کی ضرورت پڑ سکتی ہے' جس سے وہ مشینری یا بلڈنگ کی تعمیر کے کام میں مدد لے سکیں۔ پاکستان میں اس کے لئے شراکتی سرٹیفکیٹ (Participatory Term Certificates) کا سلسلہ شروع ہوا تھا جو بعد ازاں بند ہو گیا۔ ان شراکتی

© rasailojaraid.com

سرٹیفکیٹس کو دوبارہ شروع کیا جاسکتا ہے' البتہ ان میں یہ شرائط رکھی جائیں:

(۱) صنعتوں کو سرمایہ نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر فراہم ہو گا۔ نفع کی شرح باہمی رضامندی سے طے ہو گی' البتہ نقصان سرمایہ کی شرح سے ہو گا۔

(۲) جب تک مقرر شدہ عرصہ مکمل نہ ہو جائے اس وقت تک صنعتیں ایسا سرمایہ واپس نہ کر سکیں گی' یہ اس لئے کہ صنعتوں کی تعمیر میں اوائل میں ایسا وقت ہوتا ہے جب کوئی کاروبار شروع نہیں ہوتا اور نہ ہی نفع و نقصان پیدا ہوتا ہے۔ اگر صنعتوں کو یہ اختیار ہو کہ وہ طے شدہ مدت سے قبل بھی سرمایہ واپس کر سکتی ہیں تو پھر بعض لوگ اس سرمایہ سے عمارت اور مشینری کی تنصیب کر لیں گے اور جب نفع و نقصان تقسیم کرنے کا سوال پیدا ہو تو رقم واپس کر دیں گے۔ البتہ بینک کو یہ اختیار رہے کہ مخصوص حالات میں (مثال کے طور پر کاروبار میں نقصان یا بدانتظامی کی صورت میں) خود اپنا سرمایہ واپس مانگ لے۔

(۳) نقصان کی صورت میں بینک کو صنعت کے حسابات کی خصوصی جانچ پڑتال کا اختیار رہے۔

ج۔ روزمرہ چالو اخراجات کے لئے سرمایہ

اس کی دو صورتیں ممکن ہیں:

اول' بینک "بیع السلم" کی بنیاد پر صنعتوں سے مال تجارت خرید لیں اور سرمایہ فراہم کر دیں' جب مال تیار ہو تو وہ مال بینک کے پاس آجائے اور بینک وہ مال اپنے ایجنٹس کے ذریعے فروخت کرے اور نفع کمائے۔ اس طریقہ میں بہت احتیاط کی ضرورت ہو گی تاکہ بینک ایسے کاروبار میں ہاتھ نہ ڈال لے جس کے مال کو بیچنا مشکل ہو۔

دوم' بینک مبادلۂ وقت (TMCL) کی بنیادوں پر سرمایہ فراہم کرے۔ یہ شیخ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

محمود احمد صاحب کا نظریہ ہے۔ اس کے مطابق جس صنعت نے بینک سے قلیل مدت کے لئے سرمایہ لینا ہو وہ اس سرمایہ کا ایک حصہ طویل مدت کے لئے بینک کے پاس جمع کرا دے۔ انتہائی اختصار کے ساتھ یوں کہ اگر کسی صنعت کو 100,000 روپے ایک ماہ کے لئے درکار ہوں تو وہ بینک کے پاس 5000 روپے 20 ماہ کے لئے جمع کرا دے اور اس طرح اپنے اپنے مقررہ وقت پر دونوں اپنی رقوم لوٹا دیں۔ بینک اس طرح کی جمع شدہ رقوم کو خالصتاً اپنے ذمہ پر نفع و نقصان کی بنیاد پر کسی کاروبار میں لگا سکتا ہے یا حصص خرید سکتا ہے۔

ہ۔ درآمدات یا برآمدات کے لئے سرمایہ

© rasailojaraid.com

درآمدات اور برآمدات کے لئے حصولِ سرمایہ درج ذیل بنیادوں پر ہو سکتا ہے:

کاروباری حضرات / ادارے جس چیز کی درآمد کرنا چاہتے ہوں اس کی تفصیل اور اس سے متوقع منافع کا حساب بینک کو پیش کریں۔ پھر بینک نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر انہیں سرمایہ فراہم کر دے اور متوقع منافع کے مطابق اپنا حصہ لے لے۔ بعد ازاں اگر منافع زیادہ یا کم ہو تو حساب فہمی کی جا سکتی ہے' نقصان کی صورت میں بینک اپنے سرمایہ کے تناسب سے نقصان میں بھی شریک ہو' البتہ بینک کو کاروباری ادارہ کے حسابات کی پڑتال کا حق رہے گا۔ یہی معاملہ برآمدات کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ برآمدات میں چونکہ آرڈر پہلے سے مل چکا ہوتا ہے لہٰذا نفع و نقصان کا اندازہ کافی حد تک صحیح طور پر لگایا جا سکتا ہے۔ تجارتی نقصانات کے لئے انشورنس کی خدمات بھی لی جا سکتی ہیں۔

ہ۔ ہنڈیوں کو بھنانے کے لئے

بعض اوقات کاروباری اداروں کو اپنے گاہکوں سے ایسی ہنڈیاں یا ڈرافٹ مل

© rasailojaraid.com

جاتے ہیں جن کی مدت میں ابھی کچھ وقت باقی ہوتا ہے۔ ہماری رائے میں اس طرح کے تمسکات کو نقد میں بدلنے کے لئے شیخ محمود احمد صاحب کا نظریۂ مبادلۂ وقت (TMCL) کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

و۔ اثاثہ جات کرایہ پر لینے کے لئے

بعض اثاثہ جات ایسے ہوتے ہیں جنہیں خریدنے کی ضرورت نہیں ہوتی' بلکہ انہیں کرایہ پر لینے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے' جیسا کہ بعض قسم کی مشینری۔ شریعت میں اثاثہ جات کے کرایہ کی گنجائش موجود ہے بشرطیکہ کرایہ پر دینے والا اس کاروبار کے جملہ خطرات بھی قبول کرے۔ مثال کے طور پر بعض اوقات اثاثہ جات کو کرایہ پر نہیں دیا جا سکتا کیونکہ کوئی لینے والا نہیں ہوتا۔ اثاثہ جات کو مرمت وغیرہ کی ضرورت پڑ سکتی ہے' ان میں فرسودگی ہوتی رہتی ہے' ان پر ٹیکس لاگو ہو سکتے ہیں' وغیرہ۔

بینک اگر اثاثہ جات برائے کرایہ (Leasing) کے کاروبار میں آنا چاہیں تو اس کے لئے بہت وسیع میدان موجود ہے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جن اداروں کو یہ اثاثہ جات چاہئے ہوں وہ کرایہ کے تمسکات (Leasing Certificates) جاری کریں اور بینک کے وہ بچت کنندگان جو اس کاروبار میں اپنا روپیہ لگانا چاہیں' بینک ان کے سرمایہ سے ایک باہمی فنڈ برائے کرایہ (Leasing Mutual Fund) قائم کریں۔ جب کسی ادارہ کو کوئی اثاثہ کرایہ پر درکار ہو تو بینک بچت کنندگان کے اس باہمی فنڈ سے وہ اثاثہ حاصل کریں' اسے کرایہ پر دیں' بچت کنندگان کی طرف سے اس اثاثہ کو ٹھیک حالت میں رکھنے کے لئے جو کام کرنا پڑے وہ کریں اور جب وہ اثاثہ پہلے کرایہ دار کے استعمال میں نہ رہے تو اس کے لئے دوسرا کرایہ دار ڈھونڈیں۔ ان سب خدمات کی انجام دہی کے لئے بینک اپنا حق خدمت وصول کریں۔ البتہ اس کاروبار سے جو بھی نفع و نقصان ہو' وہ بچت کنندگان کے باہمی فنڈ میں جائے۔ ہاں' چونکہ بینک نے کرایہ کے تمسکات خریدے ہوں گے تو ان تمسکات کو وہ سٹاک

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ایکسچینج پر فروخت بھی کر سکے گا۔ اس طرح ان تمسکات کا جو نیا خریدار ہو گا وہ اس اثاثہ کا مالک بن جائے گا۔

حواشی

۱۳ ملاحظہ ہو:
Khan, Muhammad Akram, Glossary of Islamic Economics, London: Mansell Publishers, 1989

ایضاً:
الربا: هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لاحد المتعاقدين في معاوضه (التمرتاشي) (سعدی ابو حیب قاموس الفقه دمشق دار الفکر ۱۹۸۲ء ص ۱۴۳)

© rasailojaraid.com

۱۵ سورة البقره' (آیات ۲۷۹-۲۷۸)

۱۶ ملاحظہ ہو' مصنف ہذا کی کتاب بحوالہ نمبرا (اوپر)

۱۷ مختصرا یہ نظریہ یوں ہے کہ اگر کوئی شخص بینک سے کوئی رقم ایک مقررہ مدت کے لئے لے تو وہ بینک کو بھی ایک چھوٹی رقم زیادہ طویل عرصے کے لئے قرض حسن کے طور پر دے دے۔ دونوں طرف سے رقم قرض حسن ہی ہوگی' بینک اس طرح کی رقوم سے عملی تجارت کر کے نفع کما سکتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص بینک سے 10,000 روپے ایک ماہ کے لئے لے تو وہ بینک کو 1000 روپے 10 ماہ کے لئے ادھار دے۔ بینک یہ رقم 10 ماہ تک اپنے استعمال میں لائے اور لوٹا دے اور وہ شخص ایک ماہ تک 10,000 روپے اپنے استعمال میں لائے اور لوٹا دے۔ دونوں طرف سے کوئی اضافہ نہ ہو۔ انہوں نے اس کا نام Time Multiple Counter loan (TMCL) رکھا۔

(جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

© rasailojaraid.com